R. No. 2186/57

Regd. No. L. 922

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

Date 1-8-15-22

Phone—29

Annual Rs. 4/-

per Copy-12

جلد ۲۶ - شمارہ ۴۰ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۲۲ اکتوبر ۱۹۶۷ء

اداریہ

سرکاری زبان کا مطالبہ کیوں ہو رہا ہے؟

اسی اشاعت میں سردار جعفری کا ایک خط شایع کیا جا رہا ہے جس میں انھوں نے بمبئی کے مجوزہ اردو کنونشن کے متعلق اپنی پوزیشن واضح کی ہے اس سلسلے میں وہ فرماتے ہیں۔

"اردو والوں کو متحد ہو کر اپنے مطالبات مرتب کر لینے چاہییں اور اپنا لائحۂ عمل طے کر لینا چاہیے تاکہ اردو تحریک میں انتشار پیدا نہ ہو۔ مثلاً اردو کے تین سربرآوردہ رہنما جنھوں نے اردو کے حق کے لیے بہت کام کیا ہے پنڈت آنند نرائن ملا، حیات اللہ انصاری اور آل احمد سرور ہیں۔ ان تینوں کے بیانات اور تحریریں پڑھنے کے بعد یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا نقطۂ نگاہ مشترک نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اس پر بھی اردو حلقوں میں اختلاف رائے ہے کہ ہمیں سرکاری زبان کا مطالبہ کرنا چاہیے یا علاقائی زبان کا یا ثانوی زبان کا۔ اس لیے اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ اردو والے آپس میں ملیں اور اتفاق رائے سے ایک متحدہ پروگرام بنائیں اور اس کے مطابق اردو کے علاوہ دوسری زبانوں کے ادیبوں اور دانشوروں کو بھی اپنا ہم خیال بنائیں۔"

ہم نے پہلے بھی کہا تھا اور پھر اس بات کو دہراتے ہیں کہ پنڈت آنند نرائن ملا، حیات اللہ انصاری، اور آل احمد سرور کے نقطۂ نظر میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یہ تینوں حضرات انجمن ترقی اردو ہند کے ممبر ہیں اور پنڈت آنند نرائن ملا حال میں انجمن کے نائب صدر بھی چنے گئے ہیں۔ انجمن نے ۱۹۵۳ء میں صدر جمہوریہ کی خدمت میں بائیس لاکھ دستخطوں کے ساتھ جو عرضداشت پیش کی تھی اس میں یہ مطالبہ کیا تھا کہ اردو کو دفعہ ۳۴۷ کے تحت ان مقاصد کے لیے جن کی صراحت عرضداشت میں کی گئی تھی اترپردیش، بہار اور دہلی میں سرکاری زبان کا درجہ دیا جائے۔ اس مطالبے کو ۱۹۵۵ء میں ایک دوسرے وفد کے ذریعے دہرایا گیا تھا۔ یہی مطالبہ پھر مرحوم وزیر اعظم نہرو، لال بہادر شاستری اور بعد میں اندرا گاندھی کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ انجمن ترقی اردو ہند کے تمام ممبر اس مطالبے کے پابند ہیں۔ اگر کسی اخباری بیان میں کسی نے کچھ اور کہا ہے تو اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ ہماری زبان کے اداریوں میں عمومی طور پر انجمن کی سرکاری پالیسی کے مطابق اظہار خیال ہوتا ہے اس لیے ان تینوں کے نقطۂ نگاہ کے فرق پر زور دینا کسی طرح صحیح نہیں قرار دیا جا سکتا۔

سردار جعفری کے بیان کا یہ جملہ بھی وضاحت طلب ہے: "اس پر بھی اردو حلقوں میں اختلاف رائے ہے کہ ہمیں سرکاری زبان کا مطالبہ کرنا چاہیے یا علاقائی زبان کا یا ثانوی زبان کا۔" انھوں نے یہ نہیں بتایا کہ یہ اختلاف رائے کس کس کے درمیان ہے۔ انجمن ترقی اردو ہند کے ممبر تو سرکاری زبان کا مطالبہ کرتے ہیں۔ علاقائی زبان کا لفظ بہت دن سے استعمال میں نہیں آتا تھا۔ حال میں لکھنؤ سے اردو اور ہندی کے ترقی پسند ادیبوں کے بیان میں یہ لفظ استعمال کیا گیا۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ لفظ مجبوراً استعمال کیا گیا۔ ہندی کے کچھ ادیب اردو کو سرکاری زبان بنانے کی تحریک کی مخالفت کر رہے تھے۔ مخالفت کرنے والوں میں یش پال، امرت لال ناگر اور بھگوتی چرن ورما پیش پیش تھے۔ ان لوگوں کی اردو کے لیے تائید حاصل کرنے کے لیے ایک مشترک بیان کا مسودہ تیار ہوا۔ ہندی کے ادیبوں نے اردو کو سرکاری زبان کا درجہ دینے کی تجویز سے مخالفت کی، وہ علاقائی زبان کے لفظ پر اس لیے راضی ہو گئے کہ اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے۔ انھوں نے دستخط کرنے والے اردو ادیبوں سے یہ بھی منوا لیا کہ اردو اترپردیش کی واحد سرکاری زبان ہے اس کے علاوہ اردو کے ادیبوں نے اس بات پر بھی غور نہیں کیا کہ اردو کو سہولتیں دینے کی بات تو بیس برس سے کانگریس کی حکومتیں کر رہی ہیں اور اب جن سنگھ بھی یہی کہتی ہے۔ ہندی کے کچھ ادیبوں کی بھی ان سہولتوں کے دیے جانے کی بات کرنا کیا اہمیت رکھتا ہے

غرض اس مشترک اعلان میں علاقائی زبان کا جو مطالبہ ہے۔ اس سے اردو دوستوں کے حقوق کا تحفظ نہیں ہوتا۔ ہاں یہ اعلان اس لحاظ سے قابلِ قدر ہے کہ بہرحال ہندی کے کچھ ادیبوں نے اردو کے سلسلے میں کچھ نیک خواہشات کا اظہار تو کیا۔

ثانوی زبان کا مطالبہ بھی انجمن نے نہیں کیا، اردو کی کچھ انجمنوں کی طرف سے ضرور اس پر زور دیا گیا ہے۔ علاقائی یا ثانوی زبان کا مطالبہ کسی نہ کسی بنیاد پر ہونا چاہیے۔ علاقائی یا ثانوی کی اصطلاحوں کے لیے ہمیں قانونی اور دستوری جواز ملنا چاہیے۔ دستور میں علاقائی کا لفظ صرف سترھویں حصے کے دوسرے باب میں آیا ہے، متن میں کہیں نہیں آیا۔ اس باب میں ذیلی سرخیوں میں بھی سرکاری زبان کا لفظ ہے اور دفعہ ۳۴۵ اور ۳۴۷ دونوں میں جن کے تحت ہمیں اردو کے حق کو تسلیم کرانے کا راستہ بتایا گیا ہے سرکاری زبان کا لفظ ہی استعمال ہوا ہے۔ یہ حق دو طریقوں سے مل سکتا ہے۔ یا تو دفعہ ۳۴۵ کے تحت مجلس قانون ساز اپنے سرکاری زبان ایکٹ میں ترمیم کرے یا دفعہ ۳۴۷ کے تحت صدرِ جمہوریہ کو جو اختیار دیا گیا ہے وہ اسے استعمال کریں۔ علاقائی کا لفظ عام طور پر استعمال تو ہوتا ہے مگر چونکہ اس کے پیچھے دستوری یا قانونی تحفظ نہیں ہے اس لیے اس کو منوانے میں دستور یا قانون ہماری مدد نہیں کرتا۔ پھر ریاستوں کی نئی تنظیم کی کمیٹی نے دو زبانی علاقوں کے لیے ایک شرط لگائی تھی جسے پارلیمنٹ نے منظور کر لیا تھا۔ شرط یہ تھی کہ جس ریاست میں کم سے کم ۷۰ فیصدی آبادی کسی اقلیتی زبان کی نہ ہو، اس ریاست کو دو زبانی ریاست تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ پارلیمنٹ میں یہ رپورٹ پیش ہو چکی ہے۔ گویا پارلیمنٹ کی اس پر مہر ہے۔ اس کی بنا پر حکومت نے ایک یادداشت ۱۹۵۶ء میں پارلیمنٹ کے سامنے رکھی تھی جو ایک آل انڈیا کوڈ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس یادداشت میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر کسی ضلع میں ساٹھ فیصدی آبادی کسی اقلیت کی زبان بولتی ہو تو اس ضلع میں وہ اقلیتی زبان سرکاری زبان ہوگی۔ ظاہر ہے کہ اعداد و شمار کے لیے ہم ۱۹۶۱ء کی مردم شماری کا ہی حوالہ دے سکتے ہیں، خواہ عام حالات کے پیشِ نظر ہم ان سے کتنے ہی غیر مطمئن کیوں نہ ہوں۔ ان کے مطابق اتر پردیش، بہار اور دہلی میں دو زبانی ریاست کا مطالبہ کیا ہی نہیں جا سکتا۔ اخباروں میں اردو کے لیے دوسری زبان کا جو لفظ استعمال کیا گیا تھا وہ ضروری نہ تھا۔ یہاں درجہ متعین کرنے کا سوال اہم نہیں ہے۔ ان دشواریوں کو دور کرنے کا سوال ہے جو تعلیم اور چلن کے سلسلے میں اردو جاننے والوں کے راستے میں آج بھی موجود ہیں، اور قانون کے ذریعے سے دور کرنے کا سوال ہی ہے۔

اردو والوں کے مطالبات واضح ہیں۔ ان کے سلسلے میں غلط فہمی ہونی نہیں چاہیے۔ اردو کے لیے سہولتوں کی بات خواہ کتنی نیک نیتی سے کی جائے آج اس لیے اردو دوستوں کو اپیل نہیں کرتی کہ یہ باتیں ہم بیس سال سے سن رہے ہیں۔ اسی لیے ہم دستور کے مطابق قانونی کارروائی چاہتے ہیں۔ یہ کارروائی صرف اردو کو چند اغراض کے لیے یا سب اغراض کے لیے پوری ریاست میں یا اس کے کچھ حصوں میں سرکاری زبان تسلیم کرنے سے ہی پوری ہو سکتی ہے۔ علاقائی یا دوسری زبان کا لفظ چاہے کوئی کتنی ہی نیک نیتی سے استعمال کرے دستور کے الفاظ سے اس کا جواز نہیں نکلتا۔ اس وقت اس مطالبہ کو نہ ماننے کی یہ وجہ نہیں ہے کہ اردو والوں میں اختلاف ہے، یہ اختلاف جزوی اور ضمنی مسائل میں ہے، بنیادی باتوں میں نہیں۔ یہ بات بھی نہیں کہ اس مطالبے کو سیکولر پارٹیوں کی حمایت حاصل نہ ہو۔ یہ بھی نہیں کہ دوسری زبانوں کے کچھ ممتاز ادیب اردو کے ساتھ انصاف نہ چاہتے ہوں۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ اتر پردیش اور بہار کی حکومتیں اور ایک حد تک مرکز بھی شدت سے مخالف ہیں اور اس کی مخالفت کی وجہ سے عملی اقدامات سے گریز کرتے ہیں۔ جن سنگھ اب تک اردو کو فرقہ وارانہ رنگ میں دیکھتی ہے۔ اس وقت سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ ایک طرف اردو دوست اپنے اپنے حلقے میں اردو کے لیے تعمیری کام کریں، خود اردو کے اسکول کھولیں اور چلائیں اور دوسری طرف اردو کے مسئلے کو قومی پس منظر میں پیش کر کے رائے عامہ کو ہموار کریں اور اس کو ساتھ لے کر اردو کو دفعہ ۳۴۵ یا دفعہ ۳۴۷ کے تحت جہاں جہاں ممکن ہو سرکاری زبان تسلیم کرائیں۔ سوال اردو والوں کو متحد کرنے کا نہیں ہے ان میں اول تو اختلاف ہی نہیں ہے اور اگر ہے تو جزوی اور ضمنی جس کی کوئی اہمیت نہیں، بلکہ سوال اردو کے لیے دوسروں کو ہموار کرنے کا ہے۔ اور ایک دوسرے پر اعتراض کیے بغیر اپنے اپنے طور پر اردو کے لیے اس وقت تک جدوجہد کیے جائیں گے جب تک اردو کے حقوق کا پورا تحفظ نہ ہو جائے۔

نئی شاعری کا انتخاب ایم۔ اے کے نصاب میں

الٰہ آباد۔ ادبی حلقوں میں یہ خبر مسرت کے ساتھ سنی جائے گی کہ ۶۰ء کے بعد ابھرنے والے نئے شعری رجحانات کے نمائندہ انتخاب "نئے نام" کو جموں و کشمیر یونیورسٹی نے اپنے ایم۔ اے کے نصاب میں شامل کر لیا ہے۔

یہ انتخاب ادارہ "شب خون" الٰہ آباد نے شائع کیا ہے۔

(نامہ نگار)

ناطق مالوی

۲۹ ستمبر ۱۹۶۷ء کو حضرت ناطق مالوی نے سرونج میں داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ مرحوم پختہ مشق شاعر اور ماہرِ فن تھے۔ پیمانہ آگرہ اور نگار لکھنؤ جیسے مستند رسالوں میں آپ کا کلام شائع ہوتا رہا ہے۔ ایک عرصے سے انھوں نے رسائل سے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی لیکن مشقِ سخن آخر عمر تک جاری رہی۔ مرحوم انجمن ترقی شاخ سرونج کے صدر بھی تھے۔

ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی

اردو میں تراجم کے مسائل

اردو تراجم اردو زبان کی گذشتہ ترقی اور آئندہ امکانات کے آئینہ دار ہیں، وہ اردو بولنے والی سوسائٹی کی ذہنی نشو و نما کا پیمانہ ہیں، اگرچہ اردو تراجم ان ترجموں کے مقابلے میں جو عربی یا انگریزی میں کیے گئے ہیں کم ہیں لیکن اردو زبان اور اس کی عمر کو دیکھتے ہوئے ان کی اہمیت ناقابل انکار ہے۔ ایک ملک یا ایک کلچر کے خیالات کو دوسرے ملک یا کلچر کی زبان میں منتقل کرنے کو ترجمہ کہتے ہیں۔ فارسی اور انگریزی بولنے والی قوم نے جب فکر و جذبات کے دیسی طریقوں سے اپنے آپ کو قریب کرنا چاہا تو ترجموں سے مدد لی۔

ترجمہ اپنے محدود معنی میں ایک آرٹ ہے اور وسیع معنوں ایک طرز زندگی ہے، اردو میں ترجمہ وسیع مفہوم کے اعتبار سے زیادہ نمایاں ہے، اس کا ثبوت آپ کو اردو شاعری میں خاص طور سے ملے گا۔ اگرچہ اردو شاعری میں شاہنامہ جیسا شاہکار پیش نہ ہو سکا مگر ایرانی اسپرٹ اور کلچر کو اپنی شاعری میں سمو کر ترجمہ کا وہ پہلو پیش کیا جس کو طرز زندگی سے تعبیر کر سکتے ہیں اس لیے اردو ہندوستانی تہذیب اور دوسری تہذیبوں کی روایات کے درمیان ایک پل بن گئی۔ اور یہی ترجمہ کا آرٹ بھی ہے اور مقصد بھی۔

ترجمہ کے سلسلہ میں ہمارے علماء اور فقہا کا بڑا حصہ رہا ہے ان کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ جب ان کو دینی خیالات نئی نسلوں تک پہنچانے کی ضرورت محسوس ہوئی جو ان کی علمی زبانوں (عربی فارسی) اور ان کے طرز بیان سے ناآشنا تھے تو انھوں نے ان خیالات کو عوام کی زبان میں منتقل کر دینے کی کوشش کی اور اس طرح عربی و فارسی الفاظ کا سادہ عوامی زبان میں ترجمہ ہوا۔ شاہ عبدالقادر کا اردو ترجمۂ قرآن اس کی عمدہ مثال ہے۔

۲۔ بعد کو کچھ لوگ ایسے پیدا ہوئے جنھوں نے قرآن، حدیث، کتبہائے ادبی خیالات کے منتقل کرنے میں عربی فارسی کی محض نقالی شروع کی اس طرح معیاری ترجمے وجود میں آئے [illegible] سمجھاتی ہے اور ایسے ترجمے اصل سے زیادہ ناقابل فہم ہوتے۔ اس نقالی کا یہ اثر ہوا کہ باستثنائے چند کوئی قابل ذکر اردو ترجمہ نگار نہیں پیدا ہوا۔

ان روایات اور اصطلاحات کا پورا فائدہ اس وقت اٹھایا گیا جب انگریزی سے اردو میں قانونی مواد کے ترجموں کی ضرورت محسوس ہوئی مثلاً ڈاکٹر نذیر احمد کا (INDIAN PANEL CODE) تعزیرات ہند کا اردو ترجمہ، یہ ترجمے مقبول عام اور شستہ و پاکیزہ تھے۔

سرسید تحریک سے اردو تراجم کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے اب مترجم ایک مقصد کے شعور کے ساتھ علمی اور ادبی کارناموں کے ترجموں کی طرف متوجہ ہوئے۔ مغربی تہذیب اور تمدن کی قدریں اور انگریزی زبان کے معیار ان کے راہ نما تھے، یہ گروہ حرکت اور تبدیلی کی نمائندگی کرتا تھا۔ ان کے علاوہ پہلا گروہ بھی ترجمہ میدان میں موجود تھا مگر وہ جمود اور پرانی قدروں کی نمائندگی کرتا تھا اس طرح اردو زبان ان دو رجحانات کے عمل اور رد عمل کی جولانگاہ بن گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نئے گروہ کا دائرۂ عمل یہ ٹھہرا کہ پرانا گروہ جو [illegible] اور ٹکسالی زبان اپنے تراجم میں استعمال کرتا تھا انھیں چیزوں کو یہ مواد اور جدید مذاق سے قریب کرتا اس طرح قدیم گروہ نے تراجم کے مواد اور پیرائے کو کنٹرول کیا۔ اور نئے گروہ نے ان کے جدید رجحانات کو جو نئے ترجمے ہندوستان میں ہوئے ہیں ان کے اندر قدیم اور جدید رجحانات کا سنگم نظر آتا ہے۔ نیا پہلو یہ ہے کہ ان میں جدید خیالات اور جدید اسالیب کی کافی نمائندگی [illegible] قدیم پہلو یہ ہے کہ قدیم عربی اور فارسی علمی ذخیرے اور اس سے ماخوذ سرمایۂ الفاظ سے ان میں خاص مدد لی جاتی ہے۔

اب ہمیں یہ غور کرنا ہے کہ اردو ترجمہ کو مستقبل میں کیا مسائل پیش آ سکتے ہیں یا کس اصول پر ان کی پیش رفت ہونی چاہیے۔ اس کے لیے اس کی نشو و نما کے مختلف اطوار پر نظر ڈالنا ہوگی۔

۱۔ شروع دور میں ترجمہ ایک ایسے عمل کی مانند تھا جس کے ذریعہ دوسرے ملکوں اور زبانوں کے تہذیبی اثرات اردو زبان میں منتقل کیے جا رہے تھے ترجمہ اس وسیع اور تہذیبی تاثر کا ایک رخ تھا۔ ان لوگوں کو اردو کے علاوہ کئی زبانوں سے شغف تھا، اس لیے وہ ان کی تہذیبی روایات کو اردو میں منتقل کر رہے تھے۔ اس دور کے ترجموں کی خصوصیت یہ ہے کہ ان مترجموں کی ذہنی صلاحیتیں عربی اور فارسی کے طفیل اعلیٰ درجہ کو پہنچی ہوئی تھیں۔ اور اردو دور طفولیت میں تھی اس لیے اس کی نشو و نما کے لیے وہ غذا فراہم کر رہے تھے۔ ان کی مثال ایسے بیمار کی سی تھی جو اپنی روزانہ غذا (اردو) کے نقص کو دواؤں (عربی و فارسی خیالات اور اسالیب) کے ذریعہ دور کر رہا ہو۔

۲۔ اردو تراجم کا دوسرا دور وہ تھا جب مترجموں نے اردو کو اپنے اسلامی فکر و خیالات کے اظہار کا محکم ذریعہ بنانے کی کوشش کی اس کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ اردو زبان کی نشو و نما اسلامی خیالات کے آلے کی حیثیت سے ہوئی۔ لیکن ترجموں کی خوبیوں اور معیار کے اعتبار سے یہ کوششیں ناقابل اطمینان تھیں۔

۳۔ تیسرے دور میں نفس ترجمہ اور اس کی ضروریات پر زور دیا گیا پچھلے دور میں نفس ترجمہ کو کسی حد تک نظر انداز کیا گیا۔ لیکن اس دور کے ترجموں کی کوشش میں یہ نقص پایا جاتا ہے کہ ترجمے محض ترجمے کی اہمیت کو ملحوظ رکھ کر کیے جاتے تھے اور ان میں زبان کی ساخت اور اس کے اندرونی تقاضوں کا لحاظ نہ تھا۔

۴۔ اردو ترجموں کا چوتھا دور مستقبل سے تعلق رکھتا ہے اور اس

(بقیہ صفحہ ۱۲ پر)

محمد ایوب واقف

مولانا مسعود علی ندوی مرحوم

مولانا شبلی نے جو ایک دارالمصنفین کا خواب دیکھا تھا اسے ان کے تین لائق اور سعادت مند شاگردوں مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالسلام ندوی اور مولانا مسعود علی ندوی نے حقیقت بنا دیا۔ باوجود اس کے کہ اس اہم اور مشکل کام میں انھیں خون اور پسینہ ایک کرنا پڑا لیکن اس میں کسی طرح کی کوتاہی نہ پیدا ہونے دی۔ اعظم گڑھ جیسے دور افتادہ شہر میں ایک ایسا عظیم اور منفرد علمی و ادبی ادارہ جس پر ملک و قوم کو فخر ہے۔ دراصل انھیں ایثار پیشہ شخصیتوں کی مستقل کوششوں اور کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ اس ادارے سے تاریخ اسلام، تاریخ ہند، ادب وغیرہ کے موضوعات پر جو تحقیقی کتابیں شائع ہوئی ہیں وہ بلند معیار کے حامل ہیں اور علم و ادب کی دنیا میں انھیں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے اور یہ سب کچھ محدود ذرائع کے ساتھ ہوا اور ہو رہا ہے۔ ایسی حالت میں آداب نظم و نسق برقرار رکھنا بڑی جگر خراشی اور جگر سوزی کا کام ہے۔ اس میں ایک منتظم ہی کامیاب ہو سکتا ہے، یہ کردار اب تک مولانا مسعود علی نے ادا کیا یہ درحقیقت دارالمصنفین کی خوش قسمتی تھی کہ جہاں اس کی علمی نظامت مولانا سید سلیمان ندوی جیسے جید عالم نے سنبھالی وہیں اسے مولانا مسعود علی جیسے منتظم کار بھی ملے جو اپنے اندر بلا کی انتظامی صلاحیت و قوت رکھتے تھے۔ اب جنھیں مرحوم کہتے ہوئے کلیجہ منھ کو آتا ہے مولانا نے دارالمصنفین کے نظم و نسق کو جس خوبصورتی سے نبھایا یہ انھیں کا کام تھا۔

مولانا مسعود علی ندوی نے اپنے استاد مولانا شبلی کی تربیت کے اثر سے قومی و سیاسی تحریکوں سے گہری دلچسپی لی۔ تحریک خلافت اور تحریک موالات کے زمانے میں انھوں نے ملک کی عظیم سیاسی شخصیتوں کے ساتھ کاندھے سے کاندھا ملا کر حصہ لیا اور دارالمصنفین صرف ایک علمی و ادبی مرکز نہیں رہا بلکہ سیاسی مرکز بھی بن گیا۔ ہندوستان کے تمام بڑے سیاسی رہنما مثلاً مہاتما گاندھی، موتی لال نہرو، جواہر لال نہرو، لال بہادر شاستری اور رفیع احمد قدوائی وغیرہ دارالمصنفین میں آ چکے ہیں۔ ان کی زندگی کا دوسرا روشن پہلو جیسا کہ میں اوپر عرض کر چکا ہوں ایک منتظم کار کی حیثیت کا تھا۔ ان کے اندر نظم و نسق کی بڑی زبردست صلاحیت تھی۔ ان کا ذوق تعمیر بھی بڑا پاکیزہ تھا۔ دارالمصنفین کی خوبصورت عمارتیں، شبلی کالج کا کانووکیشن ہال اور ندوۃ العلماء لکھنؤ کی شاندار مسجد انھیں کی نگرانی میں تعمیر ہوئیں۔

میں تقریباً دو سال شبلی نیشنل کالج اعظم گڑھ کا طالب علم رہا دارالمصنفین چونکہ کالج سے بالکل ملا ہوا ہے اور اس اعتبار سے کہ یہ ہندوستان کا مشہور و معروف علمی و ادبی ادارہ ہے یہاں بھی لازماً میری آمد و رفت رہی۔ میں نے مولانا کو اکثر دارالمصنفین کی لائبریری میں بیٹھے ہوئے یا احاطے کی خوبصورت مسجد میں نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا تھا لیکن ان سے ملنے کی کبھی مجھے ہمت نہ ہوئی۔ ان کا رعب اور جلال اس قدر تھا کہ ان کے قریب پہنچنے کی میں جرأت نہ کر سکا شہر میں ان کی بڑی عزت اور بڑا وقار تھا۔ حکام شہر میں سے کسی نہ کسی کی موٹر دارالمصنفین کے احاطے میں شام کے وقت ضرور نظر آتی۔ بقول شاہ معین الدین احمد ندوی "ان کے یہاں ہر وقت ایک دربار لگا رہتا تھا۔ وہ کہیں جاتے تو راستہ میں دوکاندار کھڑے ہو جاتے اور ادب سے انھیں سلام کرتے۔

آخر عمر میں مولانا مختلف عوارض کی وجہ سے چلنے پھرنے سے بالکل معذور ہو گئے تھے لیکن ان کے چہرے پر کسی طرح کی پژمردگی نہیں دیکھی گئی۔ ان کے وفادار نوکر مستی نے ان کی معذوریت کا کبھی انھیں احساس نہیں ہونے دیا۔ آخر کار ۲۷ اگست ۱۹۹۲ء کو مولانا اللہ کو پیارے ہو گئے اور محفل شبلی کی آخری یادگار بھی مٹ گئی ؎

تا سحر وہ بھی نہ چھوڑی تو نے اے باد صبا
یادگار رونق محفل تھی پروانے کی خاک

لیکن ان کے چھوڑے ہوئے کاموں کو انھیں کی سی لگن اور انھیں کے سے جوش و خروش سے کیا گیا تو یقیناً ان کی یاد باقی رہے گی اور ہم یہ محسوس کریں گے کہ گو مولانا نہیں ہیں لیکن ان کی کمی کو پورا کرنے والے لوگ موجود ہیں۔ دارالمصنفین کی موجودہ شخصیتوں میں مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی صاحب، مولانا سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب اور مولانا ضیاء الدین احمد اصلاحی صاحب سے ہماری بہت سی امیدیں وابستہ ہیں اور توقع ہے کہ دارالمصنفین کا معیار جو علامہ سید سلیمان ندوی اور عبدالسلام ندوی نے قائم کیا ہے وہ اسے اور جلا بخشیں گے۔

آخر میں ہم مولانا مسعود علی ندوی صاحب کے بارے میں اتنا کہیں گے کہ جب تک دنیا میں دارالمصنفین کا وجود باقی ہے مولانا کا نام بھی زندہ رہے گا اور یقین ہے کہ دارالمصنفین کا وجود اس وقت تک باقی رہے گا جب تک اردو زبان باقی ہے۔

سطوت رسول

بیداری

میں نے دیکھا ؟
صبح کی زرنگار کرنیں
جب افق سے آ رہی تھیں
نیم وا آنکھیں بکھلی تھیں،
پتیاں تھیں اوس میں تر
گوہر یکتا تھے ذرے
چند قطرے
پنکھڑی پہ سو رہے تھے !
خواب سے جا رہے تھے ، اپنی منزل کی طرف
دیدۂ بیدار لے کر !
اور پھر وہ منتظر تھے ،
رات آئے ؟
یہ سمے بھی بیت جائے ؟

حسام الدین سلیم

فریبِ جنوں

وہ قافلے
جو بیاباں سے لوٹ آئے ہیں
سُنا رہے ہیں
فریب جنوں کے افسانے
یہ کہہ رہے ہیں
چمن میں خزاں رہے کہ بہار
چمن، چمن ہے، کوئی دور ہو چمن والو !

ع۔ توصیف

زندگی

زندگی تیرگی کا کفن اوڑھ کر
سوکھے سینے پہ یادوں کے بھاری سلوں کو لیے
غم کے صحرا کی تپتی ہوئی ریت پہ
درد کی آہنی سخت زنجیر میں ——
ایک مدت سے جکڑی ہوئی ہے
مگر !
آج تک اس کے بھیگے ہوئے ہونٹ پہ
چیخ تک بھی نہیں !!

اردو کے بارے میں جن سنگھ کا نقطۂ نظر

اٹل بہاری باجپئی سے ایک انٹرویو

ہندی ہفت روزہ "دھرم یگ" کے خصوصی نمائندے گنیش منتری نے لوک سبھا میں جن سنگھ کے رہنما شری اٹل بہاری باجپئی سے ایک خصوصی ملاقات کی تھی اور مختلف مسائل پر شری باجپئی سے جن سنگھ کا موقف دریافت کیا تھا۔ اردو سے متعلق سوال و جواب کا ترجمہ "دھرم یگ" کے شکریے کے ساتھ یہاں پیش کیا جا رہا ہے اس کا ترجمہ سید احمد نقوی نے کیا ہے۔ جن سنگھ کے موقف سے اردو کے مطالبات کی کس حد تک تکمیل ہوتی ہے براہ کرم اس سوال پر غور و خوض کے بعد یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ انجمن ترقی اردو کی سربراہی میں جو مختصر مطالبات پیش ہوئے ہیں ان کی جن سنگھ کے موقف سے کس قدر تکمیل ہوتی ہے اور اس وقت کی تحریک چلانے والے اداروں کے مطالبات کی کتنی تکمیل ہوتی ہے۔ سوال: اردو کے بارے میں جن سنگھی پالیسی کو لے کر کئی الزام لگائے جاتے ہیں اس بارے میں آپ کچھ بتانا چاہیں گے۔

شری باجپئی: اردو کے بارے میں جن سنگھی پالیسی کی نسبت کافی غلط فہمی پھیلائی گئی ہے۔ کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ جن سنگھ اردو کو مٹانے پر تلی ہے، اس کے برخلاف کچھ دوسرے لوگوں کا خیال ہے کہ جن سنگھ کے چکر میں پڑ کر بھارتیہ مسلمانوں کو مطمئن کرنے کی کانگریس والی راہ پر چل پڑی ہے۔ سچائی یہ ہے کہ جن سنگھ اردو کو ایک بھارتیہ بھاشا مانتی ہے اور اسے پھولتا پھلتا دیکھنا چاہتی ہے۔ جموں کشمیر کے کسی علاقے کی زبان اردو نہیں ہے مگر وہاں اسے سرکاری زبان کا درجہ دیا گیا ہے۔ جن سنگھ نے کبھی اس بات کی مخالفت نہیں کی ہے۔ جن سنگھ چاہتی ہے کہ جو لوگ اردو پڑھنا چاہتے ہیں اردو پڑھنے کی انہیں پوری سہولتیں دی جائیں۔ اردو میں درخواستیں دینے اور اس کا جواب پانے کا حق بھی منظور ہونا چاہیے۔ جہاں اردو بھاشی کافی تعداد میں ہیں اردو میں سرکاری اطلاعات شائع کرنے کا انتظام بھی کیا جا سکتا ہے۔ اردو میں ان دنوں کافی اچھا ادب لکھا جا رہا ہے اس کی حوصلہ افزائی کرنا، اردو کے ادیبوں کا اعزاز کرنا اور اردو کے پرچوں کے لیے اشتہار وغیرہ کا انتظام کرنا سرکار کا کام ہے اور جہاں جہاں جن سنگھی سرکاریں بنیں گی، وہ اس بارے میں اپنی ذمہ داریوں کو پورا کریں گی۔ جو لوگ اردو کو اپنی مادری زبان مانتے ہیں اور ہم یہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ بھارت کے سبھی مسلمانوں کی مادری زبان اردو ہے، ان کو آئین میں مندرج سبھی تحفظات ملنے چاہئیں۔ بھارتیہ جن سنگھ اردو کو اس کا مناسب مقام دینے کے خلاف نہیں ہے۔

ہم اردو کو اتر پردیش اور بہار میں دوسری سرکاری زبان کا درجہ دینے کے خلاف ہیں۔ اردو کو دوسری راج بھاشا بنانے کا مطلب یہ ہوگا کہ ہر طالب علم کو لازمی طور سے اردو پڑھائی جائے اور ہر سرکاری اہل کار کے لیے اردو میں کام کرنے کی استعداد پیدا کرنا ضروری کیا جائے۔ یہ سجھاؤ نہ عملی ہے اور نہ قومی یکجہتی کے لیے فائدہ بخش۔ بہار میں اردو بھاشیوں کی تعداد محض ۹ فیصدی ہے اگر وہاں اردو کو دوسری راج بھاشا بنانے کی مانگ مان لی گئی تو پھر دوسرے صوبوں میں بھی اس طرح کی مانگیں کھڑی ہوں گی۔ اس صورت میں بھارت کا شاید ہی کوئی صوبہ ایک بھاشی رہ پائے گا۔ تب تو سبھی صوبوں کو دو بھاشی یا سہ بھاشی قرار دینا پڑے گا۔

مراسلات

تصنیفات واجد علی شاہ

اودھ کے آخری فرماں روا سلطان عالم واجد علی شاہ کی نجی زندگی، ان کے علمی و ادبی مشاغل اور ان کی سرپرستی علوم و فنون پر ایک کتاب لکھنے کی غرض سے میں مدت تک مواد فراہم کرتا رہا ہوں۔ اس سلسلے میں ان کی کثیر التعداد تصنیفات و تالیفات کی تلاش اور حصول کی کوشش کرتا اور ان کے مضامین و مطالب کی تفصیل لکھتا رہا ہوں۔ امید ہے کہ میری زیر تصنیف کتاب مستقبل قریب میں سامنے آجائے گی۔

واجد علی شاہ کی جو کتابیں دستیاب ہو چکی ہیں اور میرے کتب خانے میں موجود ہیں ان کی فہرست ذیل میں درج کرکے امیدوار ہوں کہ ان کے علاوہ اور کتابیں جن صاحبوں کے علم میں ہوں وہ مہربانی کرکے ان کے نام اور پتے سے مجھ کو براہ راست یا بذریعہ "ہماری زبان" مطلع کرکے شکر گزار فرمائیں۔

فہرست کتب

صحیفۂ سلطانیہ، بحر ہدایت، مباحثہ بین النفس و العقل، ریاض القلوب، لا ذا الکتاب (؟)، جواب اودھ بلو بک (اردو)، مجموعۂ واجدیۂ سلطانی (فارسی)، رسالۂ واجدیۂ سلطانی (اردو)، عشق نامہ (فارسی)، ارشاد خاقانی، جوہر عروض، ناجو بہ عروض، مفصح اختری، تاریخ ممتاز، تاریخ بدر، خطوط واجد علی شاہ بنام شیدا بیگم، افسر التواریخ، دلہن، ناجو، بنی، چنچل، دیوان زمانۂ دل عہدی، دیوان بے نام، دیوان بے نام، دیوان ثالث، نظم نامور، قمر مضمون، کوکب اختر، مجموعۂ مبارک، قصائد مبارک، دیوان مبارک، افسانۂ عشق، دریائے تعشق پہلا ایڈیشن، دریائے تعشق بعد ترمیم، بحر الفت، عشق نامہ (مثنوی) مطبوعہ، حزن اختر، بحر مختلف دو ایڈیشن، ہیبت حیدری پہلا ایڈیشن، ہیبت حیدری بعد ترمیم، مثنوی در احوال گنج، دفتر غم، بحر الم، ریاض القلب، ایمان، مجموعۂ مراثی حصہ اول، حصہ دوم، حصہ سوم، بیاض سلام و نوحہ، چند متفرق مرثیے، مجموعۂ رباعیات وغیرہ، مجموعۂ منظومات، ہدایت السلطان مع شرح، مثنوی عشق نامہ نسخۂ خطی مخطوطہ ۱۲۶۶ھ، مناجات، قلمی۔

مندرجۂ ذیل کتابیں پٹنہ، کلکتہ وغیرہ میں موجود ہیں اور میری نظر سے گزر چکی ہیں:

تاریخ نور، تاریخ فراق، خطوط بنام آیا ستہ بانو فرخ بیگم، تاریخ حشیدی، تاریخ ممتاز، جواب اودھ بلو بک (فارسی)، شیوع فیض، ثبات القلوب، مقتل معتبر، دفتر پریشانی، سخن اشرف، گلدستۂ عاشقاں، صوت المبارک۔

(سید مسعود حسن رضوی ادیب)

بمبئی کا مجوزہ اردو کنونشن

قومی آواز کی ۲۶ر ستمبر کی اشاعت میں بمبئی کے مجوزہ اردو کنونشن کی جو خبر شائع ہوئی ہے اس میں میرے متعلق لکھا ہے کہ "میں نے خاص طور پر آنند نرائن ملا، آل احمد سرور اور حیات اللہ انصاری کا تذکرہ فرمایا اور ان کے موجودہ رویے پر اظہار افسوس کیا۔"

یہ خبر جہاں سے بھی ملی ہے، غلط ہے۔ میں اس کی تردید کرتا ہوں۔ میں نے ان تینوں حضرات میں سے کسی کے رویے پر اظہار افسوس نہیں کیا اور نہ کسی کی مخالفت کی۔ میں ان دوستوں کا احترام کرتا ہوں اور اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ انھوں نے اب تک اردو کے حق میں بہت کچھ کیا ہے اور آئندہ بھی ان سے بہت توقعات ہیں۔ کسی منزل پر اختلاف بھی ہو سکتا ہے لیکن اس کا مطلب باہمی احترام کی کمی نہیں ہے۔ مذمت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

میں نے یہ بھی نہیں کہا تھا کہ اردو کی تحریک اب پورے زور پر جاری ہے۔ میں نے اپنی تقریر میں یہ کہا تھا کہ ہر زمانے سے زیادہ آج اردو والوں کو اپنے تمام اختلافات دور کرکے متحد ہو جانا چاہیے۔ آج ایسے حالات پیدا ہو گئے ہیں جن میں جن سنگھ کے علاوہ قریب قریب تمام سیاسی جماعتیں اردو کے حق کی بات کر رہی ہیں۔ عوام کے دل میں بھی اردو کے لیے جوش و خروش کا جذبہ ہے۔ دوسری زبانوں کے ادیب بھی اردو کے متعلق کچھ سوچنے لگے ہیں۔ ایسی صورت میں اردو والوں کو متحد ہو کر اپنے مطالبات مرتب کر لینے چاہئیں اور اپنا لائحۂ عمل طے کر لینا چاہیے تاکہ اردو تحریک میں انتشار پیدا نہ ہو۔ مثلاً اردو کے تین سربرآوردہ رہنما جنھوں نے اردو کے حق کے لیے بہت کام کیا ہے پنڈت آنند نرائن ملا، حیات اللہ انصاری اور آل احمد سرور ہیں۔ ان تینوں کے بیانات اور تحریریں پڑھنے کے بعد یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا نقطۂ نگاہ مشترک نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اس پر بھی اردو حلقوں میں اختلاف رائے ہے کہ ہمیں سرکاری زبان کا مطالبہ کرنا چاہیے یا علاقائی زبان کا یا ثانوی زبان کا۔ اس لیے اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ اردو والے آپس میں ملیں اور اتفاق رائے سے ایک متحدہ پروگرام بنائیں اور اس کے مطابق اردو کے علاوہ دوسری زبانوں کے ادیبوں اور دانشوروں کو بھی اپنا ہم خیال بنائیں۔

میری اس تقریر کے بعد یوپیا کے صدر سید محمد زیدی صاحب نے یوپیا کی طرف سے پندرہ ہزار روپے اور کے. سی. کالج کی بزم ادب نے ڈھائی ہزار روپے کا عطیہ دینے کا وعدہ کیا اور زیدی صاحب نے یہ اعلان کیا کہ سردار جعفری، ظ۔ انصاری، اختر الایمان اور اعجاز صدیقی صاحب اردو حلقوں میں اتحاد قائم کرنے کے لیے بمبئی میں ایک کنونشن طلب کریں۔

تین چار دن کے بعد کرشن چندر کے گھر پر ایک مشاورتی جلسہ ہوا جس میں دو درجن اردو ادیب اور اردو سے محبت کرنے والے شریک ہوئے۔ اس جلسہ

میں فیصلہ کیا گیا کہ بمبئی میں ایک اردو کمیٹی قائم کی جائے جس میں اردو کے علاوہ ہندی، مراٹھی، گجراتی، پنجابی اور دوسری زبانوں کے ادیبوں اور دانشوروں کو بھی شامل کیا جائے۔ اس کمیٹی کی طرف سے اردو کے مطالبات کو کم سے کم لفظوں میں مرتب کرکے پہلے بمبئی میں منظور کیا جائے اور اس کے بعد سارے ہندوستان میں اردو جماعتوں اور اردو تحریک کے رہنماؤں کے پاس بھیجا جائے۔ اس پر ان کے مشورے حاصل کیے جائیں اور پھر دو تین ماہ کے اندر اردو کنونشن منعقد کرکے متفقہ طور سے اردو کا اعلان نامہ منظور کیا جائے۔ اس کی بنیاد پر مرکزی حکومت اور ریاستی حکومتوں کے پاس وفد بھیجے جائیں اور تمام سیاسی جماعتوں اور علمی اداروں اور ادبی تنظیموں تک اپنے مطالبات پہنچائے جائیں اور ان تمام کاموں کی تفصیلات اردو کنونشن میں طے کی جائیں۔

اردو اعلان نامے کا مجوزہ ڈرافٹ تیار ہوگیا ہے اور بہت جلد ہندوستان کی تمام زبانوں میں ترجمہ کرنے کے بعد اسے نشر کیا جائے گا، اور کنونشن کی تیاریاں شروع کی جائیں گی۔

اس کام میں ہم اردو کی ہر جماعت اور تحریک خاص طور سے انجمن ترقی اردو اور اردو محافظ دستے سے اور اردو کے تمام کارکنوں اور رہنماؤں کا خاص طور سے پنڈت آنند نرائن ملا، حیات اللہ انصاری اور آل احمد سرور سے تعاون کے خواہاں ہیں۔

(سردار جعفری بمبئی)

اردو اخبارات کے بارے میں چند ضروری اعداد و شمار

ہماری زبان کے پڑھنے والوں اور اردو تحریک میں کام کرنے والوں کی دلچسپی کے لیے۔ رجسٹرار نیوز پیپرس کی ۱۹۶۶ء کی رپورٹ سے چند مفید اقتباسات درج ذیل ہیں۔

۱۔ پڑھنے والوں کی تعداد کے اعتبار سے اردو اخبار کی پڑھنے والوں کی تعداد ۹ر۳۲۵ فی ہزار تھی۔

۲۔ ۱۹۶۵ء میں جن اخبارات کی اشاعت میں اضافہ ہوا ان میں بنگالی اخبارات ۳ر۱۱ فی صد کے اضافے سے اوّل رہے اور اردو اخبارات کی بکری میں ۸ر۸ فی صد کا اضافہ ہوا اور وہ بنگالی کے بعد تمام زبانوں کے اخبارات میں بکری میں سب سے زیادہ تھا۔

۳۔ انگریزی اور ہندی کے بعد اردو رسائل کی تعداد تمام ہندوستانی زبانوں میں سب سے زیادہ ہے ۱۹۶۵ء میں یہ تعداد ۶۲۸ تھی۔

۴۔ ہندوستان کے اخبارات صرف ایک غیر ملکی خبر رساں ایجنسی کی خبریں براہ راست شائع کرتے ہیں اور وہ ہے تاس جو پانچ ہندوستانی زبانوں میں خبریں بھیجتی ہے۔ انگریزی، ہندی، اردو، تامل اور بنگالی۔

۵۔ اردو اخبارات کی تعداد ۱۹۶۰ء میں ۴۲۲ تھی ۱۹۶۵ء میں ۸۰۸ ہوگئی۔ اردو میں ذولسانی اخبارات و جرائد کی تعداد ۱۰۳ ہے۔

۶۔ سیر دکن حیدر آباد اردو کا قدیم ترین اخبار ہے ۱۸۸۳ء میں اجرا ہوا۔ اور آریہ گزٹ جالندھر ہفتہ وار اردو کا سب سے پرانا رسالہ ہے جو ۱۸۸۵ء میں جاری ہوا۔

۷۔ ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۴ء تک اردو اخبارات کی بکری ۱ر۶۹ فی صد بڑھی یعنی ۶۷ر۱۱ لاکھ سے بڑھ کر ۶۱ر۱۹ لاکھ ہوگئی۔

(محمد حسن)

استفسار

قارئین "ہماری زبان" سے گزارش ہے کہ درج ذیل اشعار کی مفصل شرح سے آگاہ فرمائیں۔

کیا حرف ہوا ہے طرب و عیش سے عالم
ہے مدرسہ میں بھی سبق صرف ہوائی

سنگ در جاں سے تیرا نہ کیا سجدہ انھیں
کچھ حقیقت کو بتوں کی نہ برہمن سمجھا

(ایم۔ اے نصر)

اردو مسلمانوں کی زبان نہیں یوپی کی زبان ہے

لکھنؤ۔ اتر پردیش کے گورنر ڈاکٹر بی گوپالا ریڈی نے یہاں کہا کہ اردو کی اپنی خصوصیات ہیں جن کا تحفظ ضروری ہے تاکہ ہماری ہندستانی ثقافت وسیع البنیاد ہو سکے۔ انھوں نے کہا کہ اردو کا اپنا ایک منفرد اسلوب اظہار و ابلاغ ہے اس کے اپنے مخصوص استعارے ہیں جو کسی بھی ہندستانی زبان میں نہیں ملتے حتیٰ کہ سنسکرت میں بھی نہیں۔

انھوں نے کہا کہ اردو اتر پردیش میں پیدا ہوئی، یہ مسلمانوں کی زبان نہیں، اور اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں اور اگر اردو کی تعلیم و مطالعہ کو نقصان پہنچتا ہے خصوصاً مہذب حلقوں میں تو یہ ایک بڑا المیہ ہوگا۔

گورنر گوپال ریڈی یہاں ریاستی یونیورسٹیوں کے وائس چانسلروں کی ایک سہ روزہ کانفرنس کا افتتاح کر رہے تھے جو راج بھون میں ہو رہی تھی۔

اپنی تقریر میں گورنر ریڈی نے اردو کے بارے میں کہا کہ جو طالب علم ہائی اسکول یا اس کے آگے اردو پڑھنا چاہیں ان کو پوری سہولت ملنا چاہیے۔

انھوں نے اس بات پر اصرار کیا کہ اردو مسلمانوں کی زبان نہیں ہے اور کہا کہ انھوں نے ملیشیا، انڈونیشیا، افغانستان، ایران، شام اور اردن اور اس کے علاوہ تامل ناڈو اور کیرالا میں دیکھا کہ مسلمان اردو نہیں سمجھتے۔ اردو اتر پردیش میں پیدا ہوئی اور مہذب حلقوں میں اگر اس کے مطالعہ کا ذوق ختم ہو گیا تو یہ ایک المیہ ہوگا۔

انھوں نے کہا کہ یونیورسٹیوں اور شعبہ ہائے تعلیم کو چاہیے کہ اردو کی تعلیم کے لیے تمام معقول سہولتیں دیں۔ انھوں نے یہ تجویز بھی رکھی کہ انڈر گریجویٹ سطح پر ہندی کے نصاب میں اردو کی کچھ نظم و نثر کو دیوناگری میں لکھ کر سب کو پڑھانا چاہیے۔

ڈاکٹر ریڈی نے ہندی بولنے والوں کو مشورہ دیا کہ وہ دوسری زبانوں کا ذوق بھی پیدا کریں اور دوسرے لوگوں نے ہندی سیکھنے پر آمادگی ظاہر کر کے جس خیرسگالی کے جذبہ کا اظہار کیا ہے وہی جذبہ ہندی والے بھی دکھائیں۔

ڈاکٹر ریڈی نے کہا کہ اگرچہ مدراس کے علاوہ تمام ریاستوں نے ہندی کو لازمی زبان قرار دے دیا ہے لیکن ان کو خدشہ ہے کہ ہندی بولنے والے علاقوں میں سہ لسانی فارمولا طلبا کی برادری کے ذہنوں پر کوئی اثر نہ ڈالے گا۔

انھوں نے اس بات پر اظہار افسوس کیا کہ ہندی بولنے والے علاقے کے لوگ دوسری زبانیں سیکھنے میں زیادہ دلچسپی نہیں لیتے۔

انھوں نے کہا کہ ہائی اسکول کی سطح پر خصوصاً قصبات میں دوسری ہندوستانی زبانیں سکھانے کے لیے اساتذہ کو بندوبست کرنا بہت دشوار ہے۔

انھوں نے تجویز رکھی کہ جو طلبا ہندی میں داخلہ لیں ان کے لیے لازمی قرار دیا جائے کہ وہ کسی دوسری ہندوستانی زبان سے واقف ہوں۔ اور ۲ سال تک اس کو پڑھیں۔

انھوں نے کہا کہ ہماری یونیورسٹیوں کو ایم۔ اے ہندی کے طالب علموں کو لازمی طور پر ۲ زبانیں پڑھانے کا بندوبست کرنا چاہیے جن میں سے ایک شمالی ہند کی ہو اور دوسری جنوبی ہند کی۔ اور ان میں سے ایک زبان ہر طالب علم کے لیے لینا ضروری ہو۔

انھوں نے کہا کہ حالت یہ ہے کہ ہندی والوں سے زیادہ تو امریکی اور روسی تیلگو سیکھ رہے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ انھوں نے کہا کہ ایم۔ اے (اردو، انگریزی اور سنسکرت) کے طالب علموں کے لیے ہندی کا ایک پرچہ لازمی ہو۔ انھوں نے کہا کہ انھوں نے اس مسئلہ پر لکھنؤ یونیورسٹی کی اکزیکیوٹو کونسل کے ممبران سے گفتگو کی اور اس تجویز میں ممبروں نے دلچسپی لی۔ (قومی آواز)

انجمن ترقی اردو گوالیار کی مجلس عاملہ کا جلسہ

حال ہی میں انجمن ترقی اردو ہند شاخ گوالیار کی مجلس عاملہ کی میٹنگ ہوئی جس میں مندرجہ ذیل قراردادیں منظور کی گئیں۔

(۱) انجمن ترقی اردو شاخ گوالیار کی مجلس عاملہ کا یہ جلسہ اس بات کی کمی محسوس کرتا ہے کہ ہندوستان میں عیسائی مشن کے ذریعہ چلائے جانے والے اکثر پبلک اسکولوں اور کالجوں کے نصاب میں اردو ایک مضمون کی حیثیت سے شامل نہیں کی گئی۔ یہاں تک کہ اینگلو انڈین لیڈر جناب فرینک انتھونی (ایم۔ پی) جو لسانی اقلیتوں کے بہت بڑے حامی ہیں کے زیر انتظام چلنے والے اسکولوں میں بھی اردو نہیں پڑھائی جاتی۔

یہ جلسہ ایسے تمام تعلیمی اداروں کی انتظامیہ کمیٹی سے بالعموم اور جناب فرینک انتھونی سے بالخصوص درخواست کرتا ہے کہ ان اداروں میں جلد از جلد اردو کی تعلیم کا انتظام کیا جائے۔

(۲) یہ میٹنگ دہلی یونیورسٹی کے بی۔ اے درجات میں مراسلاتی کورس شروع کرنے کا خیر مقدم کرتی ہے جس کے ذریعہ ملک کے لاکھوں عوام تعلیم کی برکتوں سے فیضیاب ہو رہے ہیں کیونکہ ہر صوبہ میں اردو لکھنے اور پڑھنے والوں کی ایک قابل لحاظ تعداد موجود ہے اور جو اردو کو ایک اختیاری مضمون کی حیثیت سے پڑھنے کے خواہشمند ہیں۔ لہٰذا انجمن کی مجلس عاملہ دہلی یونیورسٹی کے ارباب بست و کشاد سے درخواست کرتی ہے کہ وہ اردو کو ایک اختیاری مضمون کی حیثیت سے مراسلاتی نصاب میں شامل کریں۔

(۳) انجمن کی مجلس عاملہ گوالیار کے بزرگ شاعر میر عنایت علی صاحب سائل کے انتقال پُرملال پر دلی صدمے کا اظہار کرتی ہے میر صاحب مرحوم بڑے کہنہ مشق شاعر تھے اور حضرت مضطر خیرآبادی جیسے مشہور استاد وقت کے سب سے قدیم شاگردوں میں ایک بلند مقام رکھتے تھے۔ وہ اردو شاعری کے رنگ قدیم کے علمبرداروں میں

تھے اور اپنے استاد کے رنگ تغزل کے انتہائی کامیاب پیرو تھے۔ بے حد شریف الطبع باوضع اور مخلص انسان تھے۔

(وقار احمد صدیقی جنرل سکریٹری)

اردو کے استعمال اور ترقی کیلئے تمام سہولتیں مہیا کی جائیں

الہ آباد۔ ہندی اور اردو کے ۱۰ سے زائد ممتاز ادیبوں نے یہاں ایک بیان جاری کر کے کہا ہے کہ گو ہندی ہی اتر پردیش کی تنہا سرکاری زبان بنائی گئی ہے، لیکن ریاست میں اردو کے استعمال اور ترقی کے لیے بھی ساری سہولیات مہیا کی جانی چاہییں۔ ادیبوں نے کہا ہے کہ ہماری یہ بھی رائے ہے کہ تمام قومی زبانوں کو ترقی کرنے کے لیے یکساں مواقع اور سہولیات ملنی چاہییں۔

انھوں نے اردو کے خلاف کشیدگی اور ہیجان پیدا کرنے کی مذمت کی اور اردو کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے کی مخالفت کی۔ انھوں نے یہ بھی سفارش کی ہے کہ اسکولوں میں نصابی کتابوں میں ہندی اور اردو دونوں کے ادبی پارے شامل کیے جائیں۔

بیان پر دستخط کرنے والوں میں جناب سمترانندن پنت، جناب فراق گورکھپوری، خواجہ احمد عباس، ڈاکٹر رام کمار ورما، ڈاکٹر اعجاز حسین، ڈاکٹر رگھوونش، پروفیسر احتشام حسین اور جناب امرت رائے شامل ہیں۔ (قاسمؔ)

گرمٹکال ضلع گلبرگہ میں انجمن ترقی اردو کی شاخ کا قیام

حال میں انجمن ترقی اردو شاخ گرمٹکال ضلع گلبرگہ (میسور اسٹیٹ) کا قیام عمل میں آیا۔ جس میں حسب ذیل عہدیداروں کے علاوہ ۱۳ اراکین کو بھی منتخب کیا گیا۔

سرپرست: جناب گرو ناتھ ریڈی صاحب صدر نشین مجلس بلدیہ

صدر: الحاج جناب محمد حسن صاحب اخترؔ

نائب صدر: جناب ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب

معتمد: جناب محمد علی صاحب میونسپل کونسلر

شریک معتمد: جناب محب کوثرؔ صاحب

خازن: جناب محمد عبدالکریم صاحب چنگلنٹی سوداگر۔

۲۰ر ستمبر کو انجمن کا ایک جلسہ زیر صدارت جناب گرو ناتھ ریڈی صاحب سرپرست انجمن بمکان محمد عبدالکریم صاحب سوداگر منعقد ہوا۔ جس میں انجمن (شاخ گرمٹکال) کے ضمنی قواعد کو منظور کیا گیا اور ختم اکتوبر تک رکنیت سازی کا کام ختم کر کے مرکزی انجمن سے الحاق کی سند حاصل کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

گذشتہ جلسوں کی رپورٹ جناب محب کوثرؔ صاحب نے سنائی۔ مہمان خصوصی جناب غلام احمد خاں صاحب سابق شریک معتمد انجمن ترقی اردو شاخ گلبرگہ کا تعارف جناب محمد عبدالوہاب صاحب عندلیب (ایم۔ اے۔ بی۔ ایڈ) نے کرایا۔ مہمان خصوصی نے اپنی مختصر سی تقریر میں انجمن کے قیام (ایک قصبہ میں) کا خیر مقدم فرماتے ہوئے خلوص اور عملی کام کرنے کا مشورہ دیا۔

صدارتی تقریر میں جناب گرو ناتھ ریڈی صاحب نے فرمایا کہ اردو کسی خاص فرقہ یا مذہب کی زبان نہیں اور کہا کہ جہاں مسلمانوں نے اردو کی خدمت کی ہے وہاں غیر مسلم ادیبوں اور شاعروں نے بھی گلشن اردو کی آبیاری میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ اور موجودہ دور میں بھی کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، فراقؔ، جوشؔ ملسیانی اور جگن ناتھ آزادؔ اور کئی اردو کے غیر مسلم ادیب اور شاعر موجود ہیں جو اردو میں اپنا خاص اور نمایاں مقام رکھتے ہیں۔

میری خواہش ہے کہ آپ اور ہم سب مل کر اردو کی ترقی، ترویج اور اشاعت کے لیے دل و جان سے کوششیں کریں اور اردو زبان کی بقا اور فروغ کی امکانی سعی کرتے رہیں۔

جناب محب کوثرؔ صاحب شریک معتمد انجمن کے شکریہ پر رات کے کوئی گیارہ بجے اس جلسہ کا اختتام عمل میں آیا۔

(محب کوثرؔ شریک معتمد)

اردو کو دوسری سرکاری زبان بنایا جائے

مئو ناتھ بھنجن (اعظم گڑھ) قاضی ٹولہ کے سیاسی گراؤنڈ پر ریاست کے وزیر جنگلات شری رام چندر وکل نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیے جانے کے سوال پر چرن سنگھ پارٹی غیر متفق ہے پھر بھی اردو کو اس کا جائز درجہ دیے جانے کی جدوجہد کی جائے گی۔ انھوں نے وعدہ کیا کہ یو۔ پی کی موجودہ یو۔ پی کی حکومت نے اردو کی وہ خدمات انجام دی ہیں جو بیس سالہ کانگریسی دور اقتدار میں نہ ہو سکی۔ اب اردو میں گزٹ شائع ہونے لگا ہے اور صوبہ کی ۲۳ تحصیلوں میں اردو کی ترقی کے لیے عملی قدم اٹھائے جا چکے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ یو پی کی موجودہ متحدہ حکومت نے صحیح معنوں میں وہ کام کیا جو بیس سال تک کانگریس نہ کر سکی۔ آج ہم گاندھی جی کے اصولوں کو پورا کر رہے ہیں جو ان کی خواہش تھی۔ (الجمعیتہ)

اردو کمیٹی کے عہدیداران و ممبران کا انتخابی جلسہ

بمبئی ۲۰ اکتوبر شام کو چھ بجے صابو صدیق گراؤنڈ ہال میں اردو کمیٹی کا انتخابی جلسہ زیر صدارت جناب سکندر علی وجدؔ منعقد ہوا۔ سردار جعفری نے کمیٹی کے ایجنڈے کا پہلا آئٹم یعنی مجلس منتظمہ کی تشکیل اور عہدیداران کے انتخاب کے مسئلہ پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ کافی دیر تک بحث مباحثہ کے بعد طے پایا کہ مجلس منتظمہ کے ممبروں اور عہدیداروں کی مکمل تعداد ۲۱ ہونی چاہیے۔ باتفاق آرا حسب ذیل انتخاب عمل میں آیا۔ صدر: جناب کرشن چندر صاحب۔ نائب صدر: راجندر سنگھ بیدی۔ ڈاکٹر ملک راج آنند۔ سکریٹری: سید محمد مہدی۔ جوائنٹ سکریٹری: ڈاکٹر نشاط صاحب۔ ممبران: ظ۔ انصاری، اعجاز صدیقی، سردار جعفری، نظم شناس، عبدالحمید انصاری، شہریار عابدی، آرزو صاحب، ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی، عبدالجبار صاحب، محمد حق صاحب، محمود چھاپرا صاحب، پروفیسر عبدالغفور شیخ۔

سارا ملک منظور کرلے تو ہندی کو رابطہ کی زبان ضرور بنایا جائے

بمبئی: سابق وزیر خارجہ چھاگلا نے آج زبان کے معاملہ میں آہستہ روی سے کام لینے کی ارباب اقتدار سے اپیل کی۔ کیونکہ ذرا بھی تیز روی اور غیر ضروری تیز رفتاری ملک میں تباہ کن اور افراتفری کے حالات پیدا کردے گی۔ انھوں نے روٹری کلب کی ایک لنچ میٹنگ میں ہمارا لسانی مسئلہ کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے یہ بات واضح کی کہ وہ ہندی کے رابطہ کی زبان بننے اور انگریزی کی جگہ لینے کے مخالف نہیں ہیں اور کہا کہ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر ہندی انگریزی کی جگہ لے سکے تو مجھ سے زیادہ کسی کو خوشی نہ ہوگی لیکن فی الوقت جو کچھ کرنے کا ارادہ ہے وہ یہ نہیں ہے کہ ہندی انگریزی کی جگہ لے بلکہ یہ ہے کہ جو وہ ہندوستانی زبانیں انگریزی کی جگہ لیں اس طرح سے ملک کے ٹکڑے ہوں گے، نااتفاقی پیدا ہوگی اور بلقان جیسے حصے بخرے ہو جائیں گے چھاگلا نے کہا کہ ہندی انگریزی کی جگہ لے سکتی ہے بشرطیکہ اس کو سارا ملک قبول کرلے۔ لیکن خوش قسمتی کی یا بدقسمتی سے سارے ملک کا اسے قبول کرنا مشکوک ہے آسام اور بنگال ہندی کے اتنے ہی مخالف ہیں جتنے دکنی ہندوستان کی ریاستیں ہیں۔

(سیاست جدید کانپور)

تاج اکاڈمی ٹونک کا قیام

عرصہ سے ٹونک میں علم و ادب شعر و سخن کا سلیس مذاق مفقود ہوتا جا رہا تھا اور روز بروز علمی ادبی مجالس کا معیار گرتا جا رہا تھا۔ عزیمت کا شدید تقاضا تھا کہ اس باب میں توجہ دی جائے۔ چنانچہ ارباب فکر و نظر کی استدعا پر حال ہی میں عالی جناب نواب محمد اسمٰعیل علی خاں صاحب بہادر بالقابہ "تاج ہز ہائنس آف ٹونک" کی ادب نوازی کے باعث "تاج اکاڈمی ٹونک" کا قیام مندرجہ ذیل عہدیداران اور ممبران پر عمل میں آیا ہے۔ جس کے دو اہم مقاصد "اردو زبان کی ترقی و ترویج کرنا" نیز "کار آمد اور غیر مطبوعہ مفید ادب کی اشاعت کرنا" قرار پایا ہے۔

اسماء مجلس تاج اکاڈمی ٹونک کی ترتیب اس طرح پر ہے۔

سرپرست:۔ عالی جناب عزیز الدولہ نواب محمد اسمٰعیل علی خاں صاحب بہادر تاج ہز ہائنس آف ٹونک

صدر:۔ جناب سید محمود الحسن صاحب صولت

نائب صدر:۔ صاحبزادہ یٰسین علی خاں صاحب نشاط

مشیر خصوصی:۔ جناب سید عبد القادر صاحب خنداں۔

خازن:۔ جناب سید شمس الدین احمد صاحب بی۔اے

سکریٹری:۔ صاحبزادہ شوکت علی خاں صاحب ایم۔اے شوکت

جائنٹ سکریٹری:۔ عبید الرحمٰن حامد

کارندہ: جناب محمد عابد صاحب عابد۔

ممبران:۔ جناب صاحبزادہ امداد علی خاں صاحب نظر، جناب حبیب الرحمٰن خاں صاحب ایڈوکیٹ، جناب مرزا رفیع السید بیگ صاحب چیرمین میونسپل بورڈ ضلع ٹونک، جناب صاحبزادہ حامد سعید خاں صاحب ساحل، جناب مولانا سید منظور الحسن صاحب برکاتی، جناب مولانا سید قاضی الاسلام صاحب، جناب پروفیسر اسلام الدین صاحب کاتل لکچرار گورنمنٹ کالج ٹونک، جناب سیٹھ الم چند صاحب چندن، جناب صاحبزادہ عبد القوی خاں صاحب قوی، جناب عماد الدین خاں صاحب مراد، جناب الیاس محمود خاں صاحب فاخر، جناب ڈی آر مدان صاحب ہوش، جناب پروفیسر جی۔ڈی جین صاحب لکچرار گورنمنٹ کالج ٹونک، جناب پروفیسر ایم بی شری واستو صاحب لکچرار گورنمنٹ کالج ٹونک۔ (عبید الرحمٰن حامد)

کوکنی کو قومی زبان بنانے کی تجویز

بمبئی:۔ یہاں کوکنی کانفرنس کے نویں سالانہ اجلاس میں جو کل یہاں ختم ہوا ہے ایک قرارداد کے ذریعہ حکومت سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ کوکنی زبان کو آئین کے آٹھویں شیڈول میں شامل کیا جائے اور اس طرح سے اس کو قومی زبان کا درجہ دیا جائے۔

انجمن ترقی اردو مدھیہ پردیش کی مجلس عاملہ کے عہدہ دار

جناب فخر الدین صاحب صدر صوبائی انجمن ترقی اردو (مدھیہ پردیش) مندرجہ ذیل عہدیداروں کو سال رواں کے لیے نامزد کیا ہے۔

نائبین صدر:۔ جناب صدر الدین انصاری ایڈوکیٹ (بھوپال)، جناب حاجی صلاح الدین (برہان پور)، سردار بلونت سنگھ قوی،

جنرل سکریٹری:۔ (نامزد) پروفیسر آفاق احمد (سیہور)

خازن:۔ سید آفتاب الدین صاحب

سکریٹری:۔ پروفیسر شفیقہ فرحت (بھوپال)، پروفیسر مجاہد اللہ خاں (بھوپال)، (ریوا)، پروفیسر (ڈاکٹر) عبد الودود (اجین)

آفس سکریٹری:۔ جناب حسنات احمد صدیقی (بھوپال)

اراکین مجلس عاملہ:۔ حکیم سید قمر الحسن ایڈیٹر ندیم بھوپال (نامزد)، جناب کے این پردھان ایم۔ایل۔اے (نامزد) جناب اے آر ارشدی ایڈیٹر افکار بھوپال۔ ڈاکٹر خورشید احمد (کھنڈوا) جناب عبد الرشید (منگاؤلی)، حضرت گلشن آبادی (جاورہ)، قاضی جمیل الدین (اگر مالوہ) فضل جاوید (ایچ۔ای۔ایل) وقار صدیقی (گوالیار)

(حسنات احمد صدیقی)

حمیدیہ کالج بھوپال میں پروفیسر احتشام حسین کی تقریر

بھوپال:۔ حمیدیہ کالج کی بزم ادب کا افتتاح کرتے ہوئے ملک کے نامور نقاد پروفیسر احتشام حسین صاحب نے کہا کہ آج کے نوجوانوں

کو اپنے ذہنوں کو نہایت وسیع اور فراخ رکھنا چاہیے۔ اگر ہمارے ذہن میں وسعت پیدا نہیں ہوتی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ذہن میں کوئی خرابی ہے۔ موصوف اپنی افتتاحی تقریر میں ہندی اور اردو کے یکساں ارتقا، ترقی اور ان کے موجودہ مسائل پر روشنی ڈال رہے تھے۔ انھوں نے کہا یہ حقیقت ہے کہ دونوں زبانوں کے مسائل یکساں ہیں۔ دونوں کا اصل سرچشمہ ہندوستان میں بولی جانے والی پراکرتیں تھیں جو بعد میں ابھرنش میں تبدیل ہوئیں۔ لیکن "تاریخی، تہذیبی اور مذہبی اثرات نے دونوں زبانوں کے راستے بدل دئے ہیں۔

اب ہم اردو اور ہندی میں فرق ثابت کرنے کے لیے جو چاہیں کہہ سکتے ہیں مگر ماضی کو نہیں بدل سکتے۔" انھوں نے طلبہ کو خطاب کرتے ہوئے کہا یونیورسٹی کے طلبہ کو جو اعلیٰ درجوں میں پڑھتے" ہیں حقیقت کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ زبانیں دونوں ہندوستان کی ہیں حملہ پڑتا تھا تو ایک زبان پر نہیں، دونوں پر پڑتا تھا۔ بیماری دونوں کے بولنے والوں پر آتی تھی۔ زبانوں کے مسائل اور دوسرے مسائل میں ہمیں تاریخی پس منظر کو بھی سامنے رکھنا چاہیے۔ اسی کے ساتھ ادب اور زندگی کے مسائل اور حالات کے "تقاضوں پر روشنی ڈالتے ہوئے موصوف نے فرمایا جتنے بھی بڑے شاعر ہیں وہ اپنی انفرادیت قائم رکھتے ہوئے اپنی زندگی میں قومی، تہذیبی، تاریخی اور سیاسی چیزوں کو لے کر چلے ہیں۔ ہمارے رہنماؤں نے قومی زندگی کے سانچوں میں اپنے کو ڈھالا ہے مولانا حالی کا بنیادی مقصد یہی تھا کہ وقت کے تقاضوں کا احساس کرکے اگر ہم اپنے ذہن کو ہم آہنگ نہیں کریں گے تو پچھڑ جائیں گے۔

زبان کے سلسلہ میں انھوں نے کہا اگر ایک زبان دوسری زبان سے ترقی یافتہ ہے تو چاہے کتنا ہی بند ھ باندھا جائے وہ آگے بڑھے گی۔ اگر اردو ترقی کرتی ہے تو ہندی کو اس سے لازمی طور پر فائدہ ہوگا۔ جیسے آج ہندی شاعر غزلیں لکھ رہے ہیں، نظمیں لکھ رہے ہیں۔ گجرات میں مسدس لکھے گئے ہیں۔ ٹیگور کا جب دور دورہ ہوا تو ٹیگور کے انگریزی ترجموں کی وجہ سے ہی انھیں پہچانا گیا۔ کسی ایک زبان کی ترقی سے دوسری زبان کو فائدہ ہی پہنچتا ہے نقصان نہیں۔ اس سلسلہ میں موصوف نے روس میں بولی جانے والی مختلف زبانوں اور ۱۹۱۷ء کے انقلاب کے بعد زبان کے مسئلہ میں لینن کی رائے کا حوالہ دیا۔ آخر میں انھوں نے کہا کہ اگر ہم میں سے سب تیار ہوں کہ متعدد زبانیں جانیں گے تو زبان کا مسئلہ اتنا اہم نہ ہوگا۔ ہندوستان میں لسانی مسئلہ کا حل اسی میں پوشیدہ ہے کہ ہر شخص دو تین زبانیں جانے۔ احتشام صاحب نے طلبہ سے اپیل کی کہ وہ زیادہ سے زیادہ زبانیں سیکھنے کی کوشش کریں۔ انھوں نے فرمایا اس سے نہ صرف ادبی زندگی سنوارنے کے مواقع ملیں گے بلکہ لسانی مسئلہ بھی حل ہوگا۔ جلسہ کا آغاز جناب ڈاکٹر سلیم حامد رضوی صدر شعبۂ اردو کی استقبالیہ اور تعارفی تقریر سے ہوا۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی تعارفی تقریر میں احتشام صاحب کی بلند ادبی شخصیت پر روشنی ڈالی۔ بزم ادب کی پریسیڈنٹ مس حبیبہ سلطانہ نے اپنی تقریر میں معزز مہمان کی آمد پر مسرت کا اظہار کیا اور ان کا شکریہ ادا کیا۔ (آفاق صدیقی)

شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی میں یوم سرسیّد

گذشتہ برسوں کی طرح امسال بھی انجمن اردوئے معلیٰ شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی نے یوم سرسید کے موقع پر ایک ادبی جلسہ کا انعقاد کیا جلسے کی صدارت جناب محمد فضل الرحمن صاحب پرو وائس چانسلر نے کی جلسہ کا افتتاح کرتے ہوئے فضل الرحمن صاحب نے مختصراً ان حالات کا جائزہ لیا جن میں سرسید نے اپنی اصلاحی تحریک کی داغ بیل ڈالی سرسید کے ادبی کارناموں پر تبصرہ کرتے ہوئے فضل الرحمن صاحب نے کہا کہ جدید اردو نثر کی ترقی سرسید کی مرہون منت ہے سرسید سے پہلے کی اردو نثر کا جائزہ لیا جائے تو سرسید کی نثر کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے خود سرسید کی ابتدائی نثر اور غدر کے بعد کی نثر میں بین فرق ہے۔ آپ نے کہا کہ سرسید کے اثر سے زندگی کے سارے شعبوں میں ایک ہمہ گیر انقلاب آیا اور زندگی کا انقلاب کسی خاص شعبہ میں نہیں آتا بلکہ ہمہ گیر ہوتا ہے۔ آپ نے کہا کہ سرسید اور دوسرے رہنماؤں میں جو فرق ہے وہ یہی ہے کہ سرسید کے ذریعہ صرف تعلیمی ہی نہیں معاشرے کے سارے شعبوں میں انقلاب آیا۔ یہی ان کی عظمت کی دلیل ہے۔ فضل الرحمن صاحب کی تقریر کے بعد جناب شمسی طہرانی ریسرچ اسکالر نے ایک نظم "دیار علی گڑھ" سنائی اس کے بعد کنور اخلاق محمد خاں شہریار صاحب لکچرر شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی نے اپنے ایک مبسوط مقالہ میں سرسید کے تنقیدی افکار پر روشنی ڈالی۔ بعد ازاں جناب خواجہ مسعود علی ذوقی صاحب نے اپنے مخصوص و منفرد ڈرامائی انداز میں سرسید کے تین مضامین کے اقتباسات سنائے۔ اس کے بعد اصغر عباس صاحب نے ایک مضمون سائنٹفک سوسائٹی علی گڑھ کی اہمیت پر پڑھا۔ آخر میں صدر شعبۂ اردو پروفیسر آل احمد صاحب سرور نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ آج سرسید کی پیدائش کو ڈیڑھ سو سال ہوگئے۔ سرسید کی تحریک سے اردو ادب میں ایک انقلاب آیا اس انقلاب کی صحیح نوعیت کو سمجھنے کے لیے اس کا جائزہ معروضی نقطۂ نگاہ سے لیا جانا چاہیے لیکن ہمارا ذہن یک طرفہ ہے یا ہم پرستش کے قائل ہیں یا مذمت کے اس لیے ہماری رائیں اکثر و بیشتر یک طرفہ ہوتی ہیں اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ ہم نے منزل اور طریقۂ کار میں فرق کرنا نہیں سیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ سرسید میں ملازمت ہی کے دوران تصنیف و تالیف سے شغف کی وجہ سے ایک بیدار ذہن پیدا ہو چکا تھا اور انھیں نہایت حوصلہ کے ساتھ اپنے خیال کے مطابق عمل کرنا آگیا تھا سائنٹفک سوسائٹی جن مقاصد کے پیش نظر قائم کی گئی اس سے یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ سرسید ابتدا ہی مادری زبان کے ذریعہ سے تعلیم کو ضروری اور ناگزیر سمجھتے تھے جس پر آج تمام ماہرین تعلیم متفق ہیں لیکن انگلستان کے سفر کے بعد ان کے خیالات میں تبدیلی ہوئی اور انھوں نے اردو کے بجائے انگریزی کے ذریعہ تعلیم پر زور دیا کیونکہ وہ سمجھ گئے تھے کہ پرانے ساز و سامان کے ساتھ نئی دنیا کا سفر نہیں کیا جا سکتا اسی لیے انھوں نے ایم۔ اے۔ او

کالج میں انگریزی کے ذریعہ تعلیم پر زور دیا لیکن یہ ایک طریقۂ کار یا (STRATEGY) حکمت عملی تھی اصول نہیں تھا کیونکہ ہم ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ گئے تھے۔ انھوں نے دراصل تین مدرسوں کا خاکہ تیار کیا تھا ایک وہ مدرسہ جس میں انگریزی ذریعۂ تعلیم ہو اور طلبہ کو ملازمتوں میں حصہ ملے یا ان میں سے کچھ لوگ انگریزی کی مدد سے اردو میں علمی کام کریں۔ دوسرا وہ مدرسہ جس میں اردو ذریعہ تعلیم ہو اور اردو کے ذریعہ سے اس میں تمام علوم کی تعلیم دی جائے اور وہ لیاقت علمی پیدا کی جائے جو آکسفورڈ اور کیمبرج جیسے اداروں میں ملتی ہے۔ تیسرا مدرسہ عربی یا فارسی میں علمی کام کرنے کے لیے ہو۔ آج اس بات کی ضرورت ہے کہ سرسید نے جو کام نامکمل چھوڑ دیا تھا، اسے پورا کیا جائے اور اردو کے ذریعہ سے تمام علوم کی تعلیم کے لیے جلد سے جلد مناسب اقدامات کئے جائیں۔ ظاہر ہے کہ اردو ذریعہ تعلیم کے ساتھ انگریزی اور ہندی میں اچھی استعداد کی ضرورت بھی ہوگی سرسید کی جانشینی کا حق انھیں لوگوں کو پہنچتا ہے جو ان کے ادھورے کام کو مکمل کریں اور وقت کے تقاضوں کو پہچانیں۔ امید ہے کہ نیا علی گڑھ اپنے اس فرض کو پہچانے گا۔ اور اس کے لیے مناسب اقدامات کرے گا۔

(سکریٹری انجمن اردوئے معلی)

صفحہ ۳ سے آگے

دور میں ہماری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ اس بنیادی نقص کو دور کیا جائے مگر کس طرح ہو۔

مترجم کو چاہیے کہ وہ محض یہ نہ دیکھے کہ کس زبان کی کونسی اچھی اور مفید تصانیف ہیں جن کو اردو میں منتقل کرنا چاہیے یہ ترجمہ کا خارجی پہلو ہوگا بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ اردو زبان کا مزاج کس قسم کی چیزوں کے ترجمہ کا مطالبہ کرتا ہے اور اردو کن زبانوں کے اثرات کو جذب کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے اور کن زبانوں کی نہیں۔ جو ترجمے عربی اور فارسی میں ہوئے ہیں ان کی تاریخ سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

زبان کی ساخت کے تقاضوں کو ترجموں میں ملحوظ رکھنے کا حسب ذیل طریقہ بھی ہو سکتا ہے مثلاً WIRELESS ترجمہ کرنے میں یہ بھی دیکھنا چاہیے اگر اردو میں ترجمہ کسی ایسے لفظ جیسے لاسلکی سے کریں جو بہت کم استعمال ہوتا ہے۔ اگر دونوں کی اپنی اپنی زبانوں میں مقدار استعمال کا مقابلہ کریں تو نسبت ۵۰ فی صدی کی ہوگی اگر وائرلیس ۵۰ فی صدی کا انسان سمجھ سکتے ہیں تو اس کا اردو ترجمہ صرف ۱۰ فی صد سمجھیں گے۔

مترجم کو محض میکانکی طریقے سے یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ اصل لفظ اور اس کے ترجمے کی مقدار استعمال USE FREQUENCY کیا ہے بلکہ یہ بھی دیکھنا ہے کہ اصل لفظ اور اس کے ترجمے کے پیچھے جو تصور اصل زبان میں ہے اس کو ترجمہ کی زبان قبول اور جذب کرنے کی صلاحیت بھی رکھتی ہے یا نہیں۔ اگر دونوں شرطیں پوری ہوتی ہیں تو ترجمہ کا مقصد کامیاب ہے اور اگر مترجم اتنا باشعور ہے اور وہ یہ دیکھتا ہے کہ اصل زبان کا کوئی لفظ اور اس کے پیچھے اس کا تصور ایسا ہے کہ اس کے لیے مناسب لفظ (جو اتنا ہی مقبول ہے) ترجمہ کی زبان میں موجود نہیں تو اس کو چاہیے کہ عام استعمال کا کوئی سادہ لفظ منتخب کرے۔ اگرچہ وہ لفظ پہلے سے وہ تصور اپنے پیچھے نہ رکھتا ہو۔ مترجم کی تخلیقی قوت اس کو نئی اہمیت بخش دے گی۔

مختصر یہ کہ اب ترجمہ کی نشو ونما کا اردو میں یہ راستہ ہونا چاہیے کہ اندر سے باہر کی طرف نشو ونما ہو۔ مترجم کو چاہیے کہ وہ صرف اس پر قانع نہ ہو کہ وہ کسی زبان کی تصنیف کو جیسے تیسے اردو میں منتقل کر دیں بلکہ الفاظ اور معنی کو تولیں اور دیکھیں کہ وہ اپنے پڑھنے والے کو ترجمہ کے ذریعے سے اصل کی ذہنی سطح اور بصیرت بھی دے سکتے ہیں یا نہیں۔ اس کے لیے عام اور سادہ الفاظ کو وہ نئے اور اصطلاحی مفہوم دے سکتے ہیں۔ اور ترجمہ کے ساتھ ساتھ انفرادی تصانیف کا کام بھی چلتا رہے تو امید ہے کہ اردو زبان ایک پختہ اور محکم آلۂ اظہار کی حیثیت سے نمایاں ہوگی۔

آخر میں ایک بات اور عرض کرنا چاہتا ہوں مجھے ایک ضرورت کا احساس اکثر ہوا ہے اور وہ یہ کہ جتنی یونیورسٹیوں میں اردو کے شعبے قائم ہیں وہ ایک سیکشن تراجم کے لیے بھی مخصوص رکھیں اور کوشش کریں کہ فارسی اور انگریزی ادب کو اردو کے سانچے میں ڈھال دیں۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ مغربی اور کلاسیکی روایتیں ہماری زبان میں شامل ہوں گی اور دوسری طرف زبان کا دائرہ (خیال اور زبان کے اعتبار سے) وسیع ہوگا۔

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھاپا اور پبلشر نذیر حسن نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا